

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی قرآنی خدمات

* ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۲۰۰۸ء۔۱۹۰۸ء) ایک ایسا معروف نام ہے جس سے دنیاےِ اسلام کا ہر تحقیق اور دانشور بخوبی واقف ہے، یہ وہ عظیم شخصیت ہے جس نے درویشی میں دینِ اسلام کی عظیم خدمات انجام دی ہیں۔ ۹۵ برس کی عمر تک پیغمبیرِ دینِ اسلام کے حقائق کی تقدیم میں بھت تن مصروف رہے۔ قرآنیات، تدوینِ حدیث اور اسلامیات کے سلسلے میں معاندِ دینِ اسلام کے بہت سے شکوہ و شہزاد رفع کیے، تحقیق و تصنیف کے علاوہ اشاعتِ اسلام کے باب میں آپ نے گرانقدر خدماتِ انجام دیں، بیمار لوگوں کو آپ کے توسط سے ایمان کی دولتِ نصیب ہوئی۔ اسی طرح عیسائیٰ حلقوں میں اپنی تقاریر کے ذریعہ دینِ اسلام کے سلسلے میں پیدا ہو جانے والے غلط احاسات کو ختم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

ڈاکٹر صاحب کو مختلف زبانیں سیکھنے کا شدید اشتیاق صرف اس لیے تھا کہ مختلف اقوام و ملک اور مختلف نظریات کے حاملین تک دینِ اسلام کی صداقت کو بآسانی پہنچایا جاسکے۔ ڈاکٹر صاحب ۲۵ زبانوں سے واقف تھے۔ عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور اطالوی زبانوں پر انہیں درست حاصل تھی۔ عربی، فارسی، اردو، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن میں گرانقدر علمی سرمایہ چھوڑا ہے۔ اسی طرح دنیا کی مختلف زبانوں میں موجودہ اسلامی مخطوطات سے ڈاکٹر صاحب باخبر تھے۔ تصنیف و تالیف کا مشغلہ ڈاکٹر صاحب کو اس تدریز تھا کہ مختلف سر بر اہان مملکت اور سلاطین کی درخواستوں کو درخور اعتناء تصور نہ کیا۔

ڈاکٹر صاحب کی مختلف اجہات خدمات کا ایک قابل ستائش پہلو یہ تھا کہ وہ اتحادِ بین اسلامیں کے زبردست مبلغ تھے۔ خود تو شافعی المسلک تھے لیکن اسلام کی بھی گیریت کو دیکھتے ہوئے کبھی انہوں نے کسی دوسرے مسلک کے پیروکاروں کو بنظر تھیز نہیں دیکھا۔ خطباتِ بہاؤ پور میں بہت سے مسلکی سوالات آپ سے کیے گئے اور آپ نے ان

* ریڈر، شعبہ عربی، مسلم پیونورٹی علی گراؤ، انڈیا۔

کے جوابات اس طرح علمی انداز میں دیئے کہ سائلین کو جس طرح تسلیم و تسلی حاصل ہوئی۔ اسی طرح اتحاد میں اسلامیں کا شیرازہ بھرنے سے محفوظ ہو گیا۔

ذکرہ چند تمہیدی کلمات کے بعد اپنے اصل موضوع پر آنا چاہوں گا۔ ڈاکٹر صاحب کی مختلف تصانیف مختلف زبانوں میں موجود ہیں۔ چونکہ اسلامیات کے ماہر کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ مرجع اول قرآن کریم کے مباحث اور اس کی حکمتوں سے واقف نہ ہو، ڈاکٹر صاحب کی تصانیف میں قرآنی رنگ ابھرا ہوا نظر آتا ہے، قرآنیات سے لچکی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپ ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، کئی پیشوں سے یہ خاندان اسلامیات میں علم و تحقیق کا امین رہا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ قرآنیات بھی اس کا طرہ اتیاز رہا ہے۔ قطب کو کن حضرت مخدوم علی مہائی (۱۸۲۵-۱۷۴۷ھ) ڈاکٹر صاحب کے اجادوں میں سے تھے، جن کی مختلف تصانیف علمی حلقوں میں عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ آپ کی کئی تصانیف، مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں۔ (۱)

حضرت مہائی کی تفسیر "تبصیر الرحمن و تیسیر المنان" اپنی بعض خصوصیات کی بناء پر اتیازی خصوصیت کی حامل ہے (۲) ڈاکٹر صاحب کے پردادا مولوی محمد غوث شرف الملک (متوفی ۱۳۸۸ھ) اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں ۳۰ سے زائد کتابیں تصنیف کیں (۳) جن میں مشہور تصنیف "نشر المرجان فی رسم نظم القرآن" بھی شامل ہے۔ جو سات جلدیوں پر مشتمل ہے۔ (۴) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ادا قاضی محمد صبغۃ اللہ بدرا الدولہ (متوفی ۱۳۸۰ھ) کے علمی اکتسابات قابل ذکر ہیں اردو، عربی اور فارسی زبانوں پر انہیں دستگاہ حاصل تھی۔ (۵) اردو میں قرآن کریم کی ایک تفسیر "فیض الکریم" (۶) کے عنوان سے لکھنے کا آغاز کیا۔ لیکن اس کی تکمیل سے قبل اپنے معبود حقیقی سے جاملے۔ بعد میں ان کے صاحبزادے مفتی محمد سعید نے تفسیر کے کچھ حصے شائع کیے۔

ذکرہ گفتگو سے بتانا یہ مقصود ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا جس نے ہر دور میں قرآنی علوم و فنون کی خدمات کو اپنا معاشر و محور بنا رکھا تھا۔ اسی مبارک سلسلے کی ایک قابل قدر رکڑی ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ہیں۔ جنہوں نے اپنی تمام ترمذ و فیات کے ساتھ ساتھ قرآنیات کے میدان میں عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے یورپی زبانوں، فرانسیسی میں مکمل، جرمن اور انگریزی میں (جزوی)

قرآن کریم کا ترجمہ پیش کیا، اس کے علاوہ ”القرآن فی کل لسان“ کے عنوان سے ایک غیر معمولی بلڈیوگرافی تیار کی اور آپ کی قرآنی خدمت کا ایک پہلو یہ ہے کہ اپنی مختلف تصانیف میں مختلف امور کی تائید اور تردید کے لیے قرآن کریم سے استدلال کیا۔ یہ چیز ”خطبات بہاد پور“ میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ انہی چیزوں کی بنیاد پر کچھ کہنے کی کوشش کی جائے گی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی خدماتِ قرآنیات کا حق اس مقامے میں ادا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے جرم ان اور انگریزی زبان میں قرآن کریم کے ترجمے مجھے دستیاب نہیں ہوئے، اسی طرح ”القرآن فی کل لسان“ بھی میری رسائی سے باہر ہے۔ البتہ دوسرے حوالوں سے مجھے جو معلومات ان مذکورہ علمی خدمات کے متعلق حاصل ہوئی ہیں۔ انہیں پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

① فرانسیسی ترجمہ قرآن کریم

سب سے پہلے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے فرانسیسی ترجمہ قرآن کریم سے اس بحث کا آغاز کیا جائے۔ یہ وہ ترجمہ قرآن ہے جسے قانونی اور غیر قانونی ذرائع سے لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے علوم قرآن کے شاھقین کے ہاتھوں تک پہنچایا جا چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے فرانسیسی ترجمہ قرآن سے قبل ۲۶ فرانسیسی ترجمہ قرآن منظر عام پر آچکے تھے، اور ۱۹۸۸ء تک فرانسیسی ترجمہ ستر (70) سے زائد زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ ان مترجمین میں مسلمان اور مستشرقین دونوں شامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے فرانسیسی ترجمہ کے تعارف کے لیے اگست ۱۹۵۹ء کے ماہنامہ ”معارف“ میں ایک معلوماتی مقالہ رقم کیا۔ جس میں سب سے پہلے مسلمانوں کی یورپ کی آمد پر رoshni ڈالی گئی، اس کے بعد مختلف انداز کے پائے جانے والے فرانسیسی ترجمہ قرآن پر اظہار خیال کیا گیا اور بتایا کہ ان میں کچھ ترجمہ مکمل ہیں۔ کچھ چند سورتوں پر مشتمل ہیں اور کچھ سورتوں اور آیات کے ترجمہ مختلف کتابوں میں دستیاب ہیں ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس مقامے میں جن ۲۶ ترجم کا تعارف کرایا تھا، اس میں بعض غلط فہمیوں کے ذر آنے اور کچھ نئے ترجم کے منظر عام پر آجائے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے نومبر ۱۹۸۸ء کے ”معارف“ میں ترجم قرآن پر ایک اور مقالہ پر قلم کیا۔ دونوں کو پیش نظر کھٹے ہوئے کچھ اہم امور کی طرف توجہ دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کے فرانسیسی ترجمہ قرآن کا ایک جامع تعارف کرایا جائے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے پہلے مقالہ میں ”جو لش انسائیکلو پیڈیا“ کے حوالے سے بتایا تھا کہ فرانسیسی کا سب سے اولین ترجمہ قرآن ایک یہودی عالم ”دون ابراہام“ (Don Abraham) نے کیا جو سورۃ معارج کے تراجم آیات پر مشتمل تھا لیکن اپنے دوسرے مقالہ میں صحیح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے اپنے ایک دوست کی تحقیقی دریافت کے توسط سے بتایا کہ یہ سورۃ معارض کا ترجمہ نہیں بلکہ یہ ایک عربی ”معراج نامے“ کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا گیا تھا۔ جس کو بعد میں لاطینی اور فرانسیسی زبان میں منتقل کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کی تازہ ترین معلومات کے مطابق سب سے قدیم ترجمہ قرآن مشائیں بوڑے کا ہے (۱۹۲۵ء - ۱۹۵۸ء) یہ مستقل ترجمہ قرآن نہیں ہے بلکہ بوڑے نے اپنی مشہور کتاب ”ترکوں کے مذہب کی تاریخ“ میں بیشتر آیات کا کامل یا مختص مفہوم پیش کیا تھا۔

اس کے بعد ۱۹۴۷ء میں ”سیپور و دریئے“ نے قرآن کریم کا مکمل ترجمہ پیش کیا، جسے مختلف یورپی زبانوں میں منتقل کیا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں ساواری نے دو جلدوں میں قرآن کریم کا ترجمہ پیش کیا، جس کی ادبی خلیت کا اعتراض تو ضرور کیا گیا لیکن تراجم کی صحیت ناقابلِ اعتقاد ہے۔ اس کے بعد فرانس کے مشہور عربی عالم رینو نے اپنی کتاب ”عربوں کا فرانس پر حملہ، پھر وہاں سے سوئٹر لینڈ اور اٹلی پر“ میں متعدد آیات اور سورتوں کے تراجم دیئے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے گارسکین دنیسی کی کتاب ”قرآن سے مانوذ اسلامی عقائد و فرائض“ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اس نے اپنی کتاب میں متعدد سورتوں کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ پانچیں نمبر پر ”کازیمیرسکی“ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ جامعہ ازہر میں عربی کا پروفیسر تھا۔ ۱۹۴۸ء میں قرآن کریم کا مکمل ترجمہ کیا۔ جو دیگر فرانسیسی تراجم کے مقابلے میں عمدہ ہے۔ آگے جل کر بوڑے نے اسی پر نظر ثانی کر کے ایک نیا ایڈیشن شائع کیا، ڈاکٹر صاحب نے ”مارسل“ کے ترجمہ قرآن کا ذکر کیا ہے، لیکن وہ دستیاب نہیں ہے، اسی طرح ایک دوسرے ”مارسل“ نے قرآنی سورتوں اور آیتوں کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے گالان، بیوا، سیٹ، الییر، پاریس کے تراجم اور کتب خانہ عام میں فرانسیسی ترجمہ قرآن اور الجزاير کے شہر ”عناید“ میں فقہ اسلامی پر آنے والی کتاب (میں قرآن کریم کی مختلف آیات کے حوالے دیے گئے ہیں) کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ یہ تمام تراجم میری نظر سے نہیں گذرے اس کے بعد فاطمہ زادہ کی ایک کتاب کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ اس میں صرف سورۃ فاتحہ کا ترجمہ شامل ہے، انہی تراجم میں ”ودار موئنتے“ کا ترجمہ قرآن بھی شامل ہے جو حدود رجہ ناقص ہے۔ ”ماردوں“ نے

۱۹۲۶ء میں باسٹھ (۲۲) سورتوں کا ترجمہ پیش کیا۔ ۱۹۳۱ء میں احمد الاعمش اور ابن داؤد نے ترجمہ قرآن شائع کیا جو بے حد مقبول ہوا، ۱۹۲۶ء میں پیل اور احمد تجانی نے اپنی مشترکہ کاؤنسل سے قرآن کریم کا ترجمہ پیش کیا۔ ۱۹۵۱ء میں ”ریڈی بلائز“ نے قرآن کریم کا ترجمہ پیش کیا، اسی طرح ۱۹۵۱ء میں طلبہ کی تعلیمی ضرورتوں کے پیش نظر ”آلاری بے رسی“ نے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کا ترجمہ پیش کیا۔ ترکی عالم محمود حنارت پاشانے ”حکمت قرآنی“ کے عنوان سے مختلف قرآنی آیات کو اس میں شامل کیا۔ اسی کڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک تو نی مسلمہ قدیریہ نے نہایت اہتمام ۱۹۵۲ء میں آرٹ پیپر قرآن کریم کا ترجمہ شائع کیا۔ ۱۹۵۲ء ہی میں آلاری محمد مریر نے چند منتخب آیات کے ترجمہ شائع کیے۔ آخر میں قادریانی عالم بشیر الدین محمود کی اس خواہش کا ذکر کیا گیا ہے جس میں انہوں نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ قرآن کریم پیش کرنے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن ابھی تک اس کی اشتاعت کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔

ذکورہ معلومات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات بغیر کسی تردود کے کہی جاسکتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے انہیں سمجھا کرنے میں بڑی دقتیں اٹھائی ہوں گی۔ ذکورہ فرانسیسی ترجمہ کا تعارف کرتے ہوئے دو چار جملوں میں ان پر اپنے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ان کے تحقیقی مزان اور علمی انداز کی دین ہے، نیز اس سے یہ بھی ترش ہوتا ہے کہ وہ فرانسیسی کی ادبی اور لغوی خوبیوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ پیرس کے مسلمانوں کو ان ترجمہ کی خوبیوں اور ان میں کی جانے والی منافقوں اور اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ غالباً ان کا یہی وہ اسلامی جذبہ ہے جس نے انہیں فرانسیسی ترجمہ قرآن پر آمادہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اولاد اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے ایک گنمام ناشر کی درخواست پر ساواری کے ترجمہ قرآن پر نظر ثانی کی۔ جو دو ہفتوں میں مکمل ہوئی۔ ناشر نظر ثانی شدہ نسخے لے تو گیا لیکن آج تک اس کا اور اس نسخے کا پتہ نہیں ہے۔ چونکہ اللہ کو منظور تو یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب سے اس سے عظیم تر کام لیا جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب ایک ناشر کی درخواست پر ترجمہ قرآن کے لیے کمربرتہ ہو گئے دیگر ترجمہ قرآن کی موجودگی میں ایک ایسے ترجمہ قرآن کی ضرورت تھی جس کا مرتب ایسا مسلم ہو جسے عربی کے ساتھ ساتھ فرانسیسی زبان پر پورا عبور ہو لیکن ایسے مسلم مترجم کی تلاش ناممکن تھی۔ یہ کام دراصل ایک مسلم عربی دان اور ایک فرانسیسی ادیب کے اشتراک عمل سے ممکن تھا۔ چنانچہ اس کے لیے ”کار موسیولیتوئری“ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب اپنے رفیق کا رکھوڑا رکھوڑا کر کے بھیجتے گئے اور وہ زبان وہیان کی نزاکتوں کے پیش نظر

اصلاحات کر کے واپس بھیجتے رہے، مکمل ہونے کے بعد سب سے ۱۹۵۸ء اور جنوری ۱۹۵۹ء میں چند ہفتوں رفیق کارکے شہر رو بے میں قیام کر کے اسے آخری شکل دے کر ناشر کے سپرد کر دیا۔ اس طرح اکتوبر ۱۹۵۹ء میں طباعت اور جلد بندی کے بعد یکم نومبر ۱۹۵۹ء کو شائعین قرآن کے ہاتھوں میں آ گیا۔ اس اہم اور عظیم الشان ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ جہاں کہیں قرآن کریم میں توریت، زبور اور انجیل کے حوالے ہیں یا ان کتابوں میں قرآنی قصص ہیں ان کے مکمل حوالے اس ترجمہ میں دیے گئے ہیں جو: ”وَإِنَّهُ لِفِي ذِيْرِ الْأَوَّلَيْنَ“ کے پیش نظر حضرت اور لیں علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے اقوال پارسی اور ہندو کتب مقدسہ کے مکمل حوالوں کے دینے کا اس میں اہتمام کیا گیا ہے اس کے بہت سی قرآنیات سے متعلقہ چیزوں کے نقل کرنے کی طرف توجہ مبذول کی گئی ہے۔ (۸) اس ترجمہ کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ ابتداء میں ساٹھ صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ ہے تاکہ قرآنیات سے متعلقہ اہم مباحث کو اس میں ذکر کر دیا جائے تاکہ فرانسیسی مسلمان اور دیگر غیر اہل ایمان ترجمہ قرآن کے مطابع سے قبل ضروری متعلقات سے آ گاہ ہو سکیں۔ چونکہ یہ کام تبلیغ اسلام اور ارشاد علیمین ترجمہ قرآن کریم کی غرض سے کیا گیا ہے اس لیے ایسے مقدمہ کا شامل کیا جانا واجب تھا۔ مقدمہ میں درج ذیل موضوعات پر نظر گوئی گئی ہے۔ قرآن کا مؤلف، الہام ربی کا مفہوم، مختلف ملتوں میں نزول وحی کی کیفیت، قرآن و حدیث کا فرق، قرآن کا اسلوب بیان اور اس کا مقصد، مندرجات قرآنی، قرآن کریم میں یہودیوں سے زیادہ خطاب کیوں ہے، قرآنی تصور حیات اور اقسام احکام، عورت کا ذکر قرآن میں، غلامی اور قرآن، سیرت نبویہ قرآن کی روشنی میں، اس سے قرآنی اشاروں کا تاریخی پس منظر سمجھ میں آتا ہے۔ تدوین قرآن مجید کی تاریخ، ترتیب آیات و سور۔ عربی خط اور اعراب اور دیگر علمات تحریری، قرآن کے نسل بہ نسل تحفظ کا دو ہر اطریقہ یعنی تحریر و حفظ، صحیت متن کے لیے استاذ سے سماع اور اجازت، اختلاف روایات، مسئلہ، تفسیح و تبدیل، تجوید و تلاوت، تراجم قرآنی جس کا آغاز صحابہ کرام نے فرمایا۔ تاریخ مسلم مترجمین اور غیر مسلم مترجمین۔ ایک نئے فرانسیسی ترجمے کی ضرورت اور یورپی زبانوں میں تراجم قرآن کی مکمل فہرست وغیرہ پر اس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ عام آدمی تاریخ قرآن اور خصائص قرآن سے واقف ہو جائے۔ یہ تھیں ڈاکٹر صاحب کے فرانسیسی ترجمہ قرآن کی خصوصیات، اس فرانسیسی ترجمہ قرآن کو یورپ، امریکہ افریقہ اور دیگر ممالک میں زبردست پذیرائی ہوئی۔ اب تک اس ترجمہ کے بیش ایڈیشن مظہر عام پر آچکے ہیں۔

گذشتہ ایڈیشن کی تعداد میں لاکھ تھی۔ (۹)

یہ بات آپکی ہے کہ اس ترجمہ قرآن کے پیچھے جہاں ایک معیاری ترجمہ قرآن کا پیش کرنا تھا۔ وہیں اس کا ایک مقصد اشاعت اسلام بھی تھا یہی وجہ ہے کہ ایک بڑی تعداد اس ترجمہ قرآن کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئی۔ (۱۰) ڈاکٹر صاحب کی زندگی ہی میں ان کے ترجمہ قرآن کی مقبولیت بام عروج پر تھی انہوں نے خود اس کی عکاسی درج ذیل لفظوں میں کی ہے۔

”خدا کی ششدار کردینے والی عنایت ہے۔ پدر ہواں ایڈیشن اس وقت مطلع میں ہے
پروف دیکھ چکا ہوں سابق میں کچھ نہیں تو دو دھائی لاکھ لفظوں کی نکاسی ہو چکی ہے اور مانگ
کی کثرت سے اس دفعہ نیا ایڈیشن ناشر ایک لاکھ کی تعداد میں چھاپ رہا ہے۔“ (۱۱)

ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے بعد بیشمار مقالات میں آپ کی سادگی، انکساری اور تقویٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ کی للہیت کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ نے مسجد بنوی کے شیخ القراء کو پورا قرآن مجید سنایا۔ جس پر انہیں ایک سند عطا کی گئی۔ جس میں نسل ابعاد سارے اساتذہ کا ذکر ہے۔ آخری مرحلے میں حضرت عثمان^{رض}، حضرت علی^{رض}، حضرت ابن مسعود^{رض}، حضرت ابی بن کعب^{رض} اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم پانچ صحابیوں سے سنتے کا ذکر ہے اور اس سے اوپر رسول اکرم ﷺ آتے ہیں۔ ایک ایڈیشن میں ڈاکٹر صاحب نے اس سند کو شامل کیا ہے۔ یہ چیز قرآنیات سے ان کے والہانہ لگاؤ کا پتہ دیتی ہے۔ (۱۲) اس وقت میرے سامنے ڈاکٹر صاحب کا وہ فرانسیسی ترجمہ قرآن ہے جسے ”جمع الملک فهد لطبعۃ المصطف الشریف“ نے شائع کیا ہے لیکن افسوس کہ اس میں سانچھے کا مقدمہ شامل نہیں کیا گیا ہے جس سے اس ترجمے کا بردا مقصود فوت ہو رہا ہے۔ یہاں پر سورۃ فاتحہ کا ترجمہ نقل کیا جا رہا ہے ہو سکتا ہے کہ کسی فرانسیسی داں کے لیے ہدایت کا ذریعہ ثابت ہو۔

پروفیسر عبدالرحمن مومن نے ڈاکٹر صاحب کے متعلق بتایا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ دنیا کے واحد شخص ہیں جنہوں نے تین زبانوں جرمن، فرانسیسی اور انگریزی میں قرآن کریم کا ترجمہ پیش کیا ہے (۱۳) میں نے اب تک جتنی تحریریں ڈاکٹر صاحب پر دیکھی ہیں ان میں جرمن اور انگریزی ترجموں کا ذکر کرنہیں ملتا۔

۲ القرآن فی کل لسان

ید را صل ببلیوگرافی ہے جس میں دنیا کی مختلف زبانوں میں پائے جانے والے تراجم قرآن کے حوالے دیے گئے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس کتاب کا خود تعارف کرایا ہے، کتاب پڑھنے سے قبل اس اہم پہلو کا ذکر بھی ضروری سمجھا کہ ہر دور میں ہر زبان میں قرآن کریم کے تراجم کی ضرورت محسوس ہوئی، جس طرح اس کی ضرورت عمومی مسلمانوں کی تھی اس طرح غیر مسلم قوموں کو بھی کسی تحقیق کے لیے، کسی کو قرآن پر اعتراضات کے لیے، ترجمہ قرآن کا آغاز عہد نبویؐ سے ہو چکا تھا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے چند نو مسلم ایرانیوں کے لیے سورۃ فاتحہ کا ترجمہ فارسی زبان میں پیش کیا تھا۔ اس فارسی ترجمے کا پہلا جملہ تھا: ”بِنَامِ خَدَّا وَنَبِيِّنَ شَاهِدَةِ مَهْرَبَانَ“۔

تراجم قرآن کی فہرست سازی کی جانب سب سے پہلے فرنگیوں نے توجہ دی اس سلسلے میں وکتور شووین (Victor Chauvin) کا نام سرخیل کے مانند ہے۔ جس نے ”ان کتابوں کی فہرست جو عربی میں یاد ربوں سے متعلق ۱۸۵۰ء سے ۱۸۷۰ء تک عیسائی یورپ میں چھپیں“، کے عنوان سے کتابیات تیار کی، اس کی دسویں جلد قرآن و حدیث سے متعلق ہے، اس میں قرآن کریم سے متعلق خاصہ موارد ہے۔ اس کے علاوہ ”مسلم ورلڈ“ نے اسی موضوع پر ایک طویل مقالہ شائع کیا، اور غالباً اسی کو بعد میں جرجی زیدان نے اپنے رسالے ”الہلال“ میں شائع کیا ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ کاموں کے متعلق بتایا کہ ان میں بہت سے نقائص موجود ہیں۔ اسی لیے اسے ایک معیاری صورت میں پیش کرنے کو ٹھہرانا لی۔ تراجم قرآن کی ایک جامع کتابیات پیش کرنے کا خاکہ ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں اس وقت آیا جب انگلی پر تیار کردہ کتابیات "Gospel in many Tongues" ان کی نظر سے گذری، جو سات سو زبانوں پر مشتمل ہے، اسے دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو حد درجہ قلق ہوا کہ ہم نے اب تک قرآن کریم کی کیا خدمت انجام دی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ان حسابات سے دوچار تھے ہی کہ ابو محمد مصلح صاحب نے حیدر آباد میں ”عالمگیر تحریک قرآن مجید“ کے عنوان سے ایک انجمن کی بنیاد رکھا۔ جس کا ایک مقصد یہ تھا کہ دنیا میں موجودہ مختلف تراجم قرآن کو شائع کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب اس تحریک سے وابستہ ہو کر ”القرآن فی کل لسان“ کی ترتیب میں مصروف ہو گئے، چنانچہ ۱۹۴۵ء میں اسی انجمن نے ”القرآن فی کل لسان“ جو کہ ۲۳۲ زبانوں پر مشتمل تھی شائع کی۔ جس میں

مترجمین اور ترجمہ کی فہرست کے علاوہ بطور نمونہ سورۃ فاتحہ کا ترجمہ ہر زبان کے ساتھ شامل کیا گیا۔ اسے اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ ۱۹۲۱ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن منظر عام پر آیا جو ۲۳۳ زبانوں پر مشتمل تھا۔ پھر مانگ کی کثرت سے ۱۹۲۴ء میں تیسرا ایڈیشن بھی نکلا جس میں ۷۶ زبانوں کے ترجموں کی تفصیل بیان کی گئی۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کو حیدر آباد سے ملک بدر ہونا پڑا اور کسی نئے ایڈیشن کے منظر عام پر آنے کا موقع نہ ملا، لیکن ڈاکٹر صاحب مستقل نئے ترجمہ کی تلاش میں سرگردان رہے۔ ۱۹۸۸ء تک ڈیڑھ مختلف زبانوں کے ترجم قرآن مجید آپ کے پاس موجود تھے جن میں سے اسی (۸۰) ترجم قرآن کامل تھے۔ بقیہ جزوی۔

کتابیات قرآن کو منتظر عام پر نلاۓ جائکے کے سبب ۱۹۲۰ء میں اسے بالا قساط ڈاکٹر صاحب نے فرانسیسی زبان کے رسالہ ”افکارِ شیعہ“ میں شائع کرنا شروع کیا۔ لیکن ۱۹۲۲ء میں جب یہ بند ہو گیا تو ۱۹۲۴ء میں ایک تو نی مسلم نے فرانسیسی زبان میں ”فرانس اسلام“ کے نام سے ایک مجلے کا آغاز کیا۔ جس میں کتابیات کی کچھ چیزیں شائع کی گئیں لیکن مالی وسائل کے سبب یہ بھی بند ہو گیا دوبارہ ”بینش اسلام“ کے نام سے منتظر عام پر آیا لیکن ۱۹۸۳ء میں دوبارہ بند ہو گیا۔ اس طرح یہ کام تنشہ تکمیل رہا۔ اسی سلسلے کو ترکی کے ادارہ ریسرچ سنٹر فار اسلام کہ سڑی، آرٹ اینڈ گلپنے آگے بڑھاتے ہوئے:

”World Bibliography of Translation of Meanings of the Holy Quran“ کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی جس میں ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۵ء تک مختلف زبانوں کے شائع شدہ ترجم شامل ہیں۔ (۱۵) اسی سلسلے کی ایک خدمت ڈاکٹر صاحب نے یہ انجام دی کہ فارسی اور ترکی ترجم قرآن کی آپ نے ایک فہرست تیار کی اسی طرح اپنے فرانسیسی ترجمہ قرآن میں آپ نے یورپی زبانوں کے ترجم قرآن کریم کی مکمل فہرست شامل کی جو اٹھائیں زبانوں کے مودا پر ترتیب دی گئی تھی اور ۱۹۸۸ء کا ایڈیشن چھیالیں چھیالیں زبانوں پر مشتمل ہے۔ (۱۶)

ذکورہ سطور سے یہ شہادت ملتی ہے کہ اپنے تمام کاموں کے ساتھ ساتھ زندگی بھر ڈاکٹر صاحب کو مختلف زبانوں کے ترجم قرآن کے جمع کرنے کا غیر معمولی حد تک شوق تھا۔ کاش کہ یہ سب کام کتابی صورت میں اہل علم و فہم کے سامنے آتے اور دنیا اس عظیم قرآنی خدمت سے مستفیض ہوتی۔

مختلف اہل علم و دانش کے قلم سے اس کی تصدیق و توثیق ہو چکی ہے کہ ڈاکٹر صاحب اسلامی مصادر و مراجع،

ترجم قرآن اور مسودات سے بخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی معلومات ہی کے سبب انہوں نے ترکی کو مسودات کا دارالخلافہ قرار دیا جس کا اعتراف عربی زبان و ادب کے مشہور عالم پروفیسر عبدالعزیز میمن نے بھی کیا ہے۔ (۱۷) اپنی انہی معلومات کے سبب جب انہوں نے ڈاکٹر احمد خان کی کتاب ”قرآن کریم کے اردو تراجم“ (۱۸) پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ اس میں بہت سے نقصان ہیں کیونکہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی تالیف ”القرآن فی كل رسان“ کو پیش نظر نہیں رکھا جس کی وجہ سے بہت سے اردو تراجم تک ڈاکٹر احمد خان کی رسائی نہ ہو سکی اسی طرح اس کتاب کی ترتیب میں امریکہ کی نیشنل یونیورسٹی میں کیٹلیاگ سے استفادہ نہ کیا جاسکا جو کئی سو جلدیوں پر مشتمل ہے۔ خود پاکستان سے قاضی زابد الحسینی کی شائع شدہ مشہور کتاب ”مذکرة المفسرین“ کا بھی یہاں پڑھنہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اشاریہ، کے تعلق سے کئی مشورے دیئے ہیں، چونکہ اشاریہ سازی کے جدید اصولوں سے آپ پوری طرح واقف تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ چیزوں کی طرف توجہ دلانے کے بعد کتاب کو خوش آمدید بھی کہا ہے اور اسے اپنے موضوع پر حرف آخر قرار دیا ہے۔ (۱۹)

③ خطبات بہاولپور میں قرآنی آیات سے استدلال

ڈاکٹر صاحب کی تصانیف میں ”خطبات بہاولپور“، کو غیر معمولی شہرت نصیب ہوئی۔ یہ کتاب آپ کے وسعت مطالعہ اور وقت نظر پرداں ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ زندگی بھر کے مطالعہ کا نجوڑ ہے تو شاید مبالغہ نہ ہو۔ اس کتاب کی ایک ایک سطر آپ کے تحقیق اور مبلغ ہونے پر شاہد ہے؛ ”خطبات بہاولپور“ میں اسلامی تاریخ، ملت اسلامیہ کے امتیازات اور دین اسلام کے اہم کارناموں کو سمیئنے کی لائق صدقہ تحسین کوشش کی گئی ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ اسلامیات کو کوزے میں بند کرنے کی کامیاب کاوش ہے تو شاید غلط نہ ہو، ان خطبات سے نئی نئی دریافتیں منظر عام پر آئی ہیں تو بہت سے جماعت کوہتاکر حقائق منظر عام پر لائے گئے ہیں، یہاں پر خطبات بہاولپور کے کچھ ان مباحث کو سمیئنے کی کوشش کی جائے گی۔ جہاں ڈاکٹر صاحب نے دورانِ گفتگو قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے۔ خطبات میں جگہ جگہ قرآنی موضوعات پر بحث ہے اور مختلف مقامات پر آیات کریمہ سے استدلال ہے۔ آپ نے قرآن کریم کی حکمتوں اور باریکیوں کو قارئین کے سامنے پیش کرنے میں مہارت تامہ کا ثبوت دیا ہے پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے

آپ کی قرآنیات سے وابستگی کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔

”پچھلے دنوں آپ نے گورنمنٹی میں ترجمہ قرآن کی تلاش کے سلسلے میں لکھا تھا کہ اگر خریدنا ناممکن نہ ہو تو اس کے فوٹو اور مائیکرو فلم بھی کافی ہوں گے اور سارے مصارف پیشگی ادا کرنے کو حاضر ہوں۔“ (۲۰)

خطبات میں حفاظت قرآن پر عالمانہ فتنوں کی گئی ہے۔ اس کی حفاظت کا ایک سب سے اہم گوشہ یہ ہے کہ اس کی زبان غیر متبدل ہے۔ اس کے برعکس دنیا کی دیگر زبانیں ہر دو تین سو سال میں اپنے اندر اس قدر تبدیلیاں سمیت لیتی ہیں کہ اہل زبان کو ان کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے قرآن کریم کا نزول اس زبان میں اس لیے ہوا کہ ہر عہد میں تعلیمات قرآن کا سمجھنا آسان ہو، قرآن کریم کو عصر حاضر میں بالکل اسی طرح سمجھا جاتا ہے جس طرح کہ عہدِ نبوت میں (۲۱)

حافظت قرآن کریم پر گفتگو کرتے ہوئے یہ مسئلہ بھی ڈاکٹر صاحب نے اٹھایا کہ نزول قرآن کی ابتداء ہی سے قرآن کریم کے یاد کرنے اور لکھنے کا کام شروع ہو گیا تھا۔ کیونکہ صحابہ کرام اپنی نمازوں میں قرآن کریم کی آیتوں کا اعادہ کرتے تھے۔ یہ فطری امر ہے کہ انسان لکھی ہوئی چیزوں ہی کو یاد کرتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ﷺ صحابہ کرام میں سے کسی ایسے صحابی کو طلب کرتے جسے لکھنا پڑھنا آتا ہو، لکھوانے کے بعد پڑھنے کا حکم دیتے، تاکہ کوئی غلطی ہو تو اس کی اصلاح ہو سکے۔ اسی طرح لکھوانے کے بعد آپ ﷺ صحابہ کرام کو اجازہ کرنے اور روزانہ نماز میں دو دقت اعادہ کرنے کا حکم صادر فرماتے۔ اس وقت دونمازیں تھیں۔ معراج کے بعد پانچ نمازوں کی تو پانچ مرتبہ صحابہ کرام دہرانے لگے (۲۲) قرآن مجید کی حفاظت کی جانب ایک اہم قدیم یہ بھی اٹھایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ ہر صحابی کو کسی مستند استاذ ہی سے قرآن مجید پڑھنا چاہیے تاکہ کوئی غلطی باقی نہ رہے اس وقت کے سب سے عظیم استاذ، اللہ کے رسول تھے، اس لیے قرآن کریم رسول اللہ سے پڑھا جاتا اور تحریری آیات آپ ﷺ کو نئی جاتیں تاکہ غلطیاں دور ہو جائیں اور حفظ میں کوئی گزبر نہ ہو۔ جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا تو آپ ﷺ نے قرآن مجید پڑھانے کے لیے چند ایسے صحابہ کرام کو متعین کیا جن کی قرآن دانی پر آپ ﷺ کو کامل اعتماد تھا۔ گویا آپ ﷺ کی جانب سے سند کی وصولیابی کے بعد ہی یہ صحابہ کرام تدریس قرآن کی ذمہ داری کو نجام دیتے۔ (۲۳)

مصحف عثمان

تاریخ قرآن مجید میں مصحف عثمان کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے دو صفحے میں مصحف عثمان کی سرگزشت کو بہترین انداز میں پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ: تیمورانگ کو دمشق کی فتح میں سب سے قیمتی مال غنیمت مصحف عثمان ملا، جسے سرفقد میں لا کر محفوظ کر لیا، لیکن جب روسیوں نے سرفقد کو فتح کیا تو روسی کمانڈر انچیف اسے سینٹ پیٹرس برگ (لینن گراڈ) لے کر چلا گیا، روسی مومنین کا خیال ہے کہ یہاں خرید کر لایا گیا نہ کہ چراکر، زار کی حکومت کے اختتام کے بعد جب کیونشوں کا روس کی حکومت پر قبضہ ہوا تو ایک مسلم جزل علی اکبر تو پچی کی کوششوں سے وہ ترکستان آگیا جواب تک تاشقند میں محفوظ ہے، زار کے عہد میں مصحف عثمانی کا فوٹو لے کر ایک گز کی لمبی تقطیع پر پچاس نئے چھاپے گئے تھے، اس کے چند نئے ڈاکٹر صاحب کے نظر علم میں ہیں بلکہ ایک نسخہ دیکھا بھی ہے جو کابل میں موجود ہے اور سورۃ بقرہ کی آیت ”فَسَيِّئُكُفِيرُهُمُ اللَّهُ“ پر سرخ دھبے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے نئے امریکہ، انگلینڈ اور مصر میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کی مائیکر فلم بھی اپنے لیے تیار کرائی تھی۔ (۲۳)

خطبات میں ڈاکٹر محمد اللہ صاحب نے حروف مقطوعات پر بھی گنتگوکی ہے اور بتایا کہ کم از کم اس سلسلے میں ستر آراء پائی جاتی ہیں انہوں نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس کی تشریح فرمادیتے تو آج مفسرین طرح طرح کے خیالات صادر نہ کرتے۔ (۲۵) ڈاکٹر صاحب کے اس خیال پر یہ دعا اور ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس کی وضاحت اور تشریح کی حاجت نہیں تھی، کیونکہ یہ چیز عربوں کے ذوق کے مطابق تھی یہ کوئی اجنبی شے نہیں تھی، کیونکہ قرآن کریم پر کفار و مشرکین نے سیکڑوں اعتراضات کیے ہیں لیکن حروف مقطوعات کے سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ چیزان کے کلام و خطبات میں موجود تھی۔ مولا نافرائی (۱۹۳۰ء۔ ۱۸۲۳ء) کا خیال ہے کہ حروف مقطوعات انگریزی اور ہندی حروف کی طرح صرف آواز ہی نہیں بتاتے بلکہ یہ چینی زبان کی طرح معانی اور اشیاء پر بھی دلالت کرتے ہیں اور انہی کی صورت ویسیت پر لکھے جاتے ہیں۔ یہی حروف قدیم مصریوں نے اخذ کر کے اپنے تصورات کے مطابق ان میں ترمیم و اصلاح کر کے ان کو اس خطنشانی کی شکل دی جس کے آثار اہرام مصر کے کتبات میں موجود ہیں۔ ان حروف کے معانی کا علم اب ختم ہو چکا ہے لیکن اب بھی بعض حروف کے معانی معلوم ہیں۔ مثلاً الف گائے کے معنی میں ہے۔ ب کا مفہوم ”بیت“ (گھر) ہے۔ ج ”جمل“ (اونٹ) کے معنی میں ہے۔ اسی طرح ط

”سانپ“ کے معنی میں اور ”نوں“، ”مچھلی“ کے معنی میں آتے ہیں۔ اس کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً سورہ طہ میں موسیٰ علیہ السلام کی لٹھیا کے سانپ بن جانے کا ذکر ہے۔ یہی حال ”طسم“ اور ”طس“ کا بھی ہے۔ ان سورتوں میں بھی سانپ کا ذکر ہے۔ سورۃ نوں میں صاحب الحوت حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہے اور سورۃ بقرہ میں گائے کا واقعہ مذکور ہے۔ (۲۶) مولانا فراہی کے اس خیال سے غور و فکر کی راپیں واہوتی ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ یہ موسیقی کی لئے اور حصہ ہے یہ ایک نامناسب رائے ہے کیونکہ اس سے کلام اللہ کا تقدس محروح ہوتا ہے۔

تاریخ حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے قرآن کریم اور حدیث کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے سورۃ حشر کی آیت نمبر ۷۸ نقل کرتے ہوئے بتایا کہ:

”قرآنی تصور میں حدیث کوئی کم درجے کی چیز نہیں بلکہ ایک لحاظ سے اس کا درجہ قرآن کے برابر ہی ہے۔“ (۲۷)

اسی طرح بادشاہ اور سفیر کی مثال دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ:

”میرا منتشر یہ ہے کہ حقیقت میں حدیث اور قرآن ایک ہی چیز ہیں، دونوں کا درجہ بالکل مساوی ہے۔“ (۲۸)

دونوں آیتوں کی روشنی میں یہ بات بغیر تامل کے کہی جا سکتی ہے کہ اطاعت رسول اطاعت خداوندی سے مربوط ہے، کیونکہ آپ ﷺ قرآن کریم کے حقیقی شارح ہیں۔ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد قرآن کریم کی تبیین تھی۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی قرآن کریم کی سچی تصویر تھی۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود یہ کچھی نہیں کہا جاسکتا کہ احادیث قرآن حکیم کے مثل ہیں۔ خود آپ ﷺ نے بھی یہیشہ قرآن کو اولیت دی ہے، اسی احساس کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ:

”میں تمہارے لیے قرآن کریم چھوڑے جاتا ہوں اگر تم سہوں نے اسے پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے ہو اور قرآن کریم اور حدیث میں امتیازی فرق کو بیان کرنے کے لیے دو چیزوں کی جانب اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی

تلادت کا حکم دیا ہے لیکن قرآن کریم میں حدیث کی تلاوت کا حکم موجود نہیں ہے۔ اسی طرح حفاظت قرآن کی ذمہ داری اللہ پر ہے اور حفاظت حدیث کی ذمہ داری اللہ کے بندوں پر ہے اور یہ بات بھی قبل غور ہے کہ قرآن کریم بغیر کسی تغیر و تبدل کے لفظاً و معنی ہمارے سامنے موجود ہے اور تا قیامت موجود رہے گا لیکن احادیث معنی موجود ہیں اور اس معنوی روایت کے راوی حضرات بھی مختلف النوع اخلاق و کردار کے حامل تھے۔

انہی خیالات کا اظہار آگے چل کر خود ڈاکٹر صاحب نے بھی کیا ہے ہر کیف بھی بھی قرآن کریم اور احادیث کو ایک میران میں نہیں رکھا جاسکتا یہی بات ڈاکٹر صاحب نے خود بھی کہی ہے کہ:

”غرض مختلف وجوہ سے رسول اللہ ﷺ کے بعد حدیث یعنی رسول اللہ ﷺ کے کلام کا

دوسروں تک ابلاغ اتنا یقینی نہیں رہتا جتنا قرآن کا یقینی ہے۔“ (۲۹)

تدوین قرآن

خطبات میں دو بھروس پر تدوین قرآن پر گفتگو کی گئی ہے یہ گفتگو تدوین قرآن کے باب میں شکوہ و شبہات کا باعث ہوتی ہے۔ ایک مقام پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

”قرآن مجید کو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی نگرانی میں مدون کرایا اور اس کے تحفظ کے لیے وہ تدبیریں اختیار کیں جو اس سے پہلے کسی پیغمبر نے نہیں کی تھیں یا کم از کم تاریخ میں اس کی نظر ہمیں نہیں ملتی۔“ (۳۰)

اسی طرح دوسری جگہ حدیث قدسی سے متعلق جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نے مناسب نہیں سمجھا کہ یہی اصل جواب ہے کیونکہ ضرورت نہیں تھی کہ قرآن کریم کو ایک لا محدود کتاب بنایا جائے، بہتر یہی تھا کہ قرآن مجید مختصر ہو، ساری ضرورت کی چیزیں اس کے اندر ہوں، اور وقاً فوْقاً اس پر زور دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ

اور چیزیں بیان کریں جو حدیث میں بھی آئی ہیں اور حدیث قدسی میں بھی، اس سے ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کو قرآن میں شامل کرنے کی ضرورت رسول اللہ ﷺ نے محسوس نہیں فرمائی۔^(۳۱)

مذکورہ دونوں اقتباس سے یہی نقطہ نظر سامنے آتا ہے کہ قرآن کریم کی تدوین اللہ کے رسول نے فرمائی ہے اور کلام الہی کو ایک مختصر اور جامع انداز میں مدون کیا ہے۔ یہ یکسر غیر اسلامی نظریہ ہے جس طرح قرآن کریم کلام ربانی ہے، اسی طرح اس کی ترتیب و تدوین بھی من جانب اللہ ہے۔ اسی کو قرآنی اصطلاح میں ”ترتیب توقيفی“ کہا جاتا ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کو بتایا جاتا تھا کہ اس آیت کو یہاں اس آیت کو وہاں رکھ دیا جائے جس طرح یہ کتاب ہدایت منزل من اللہ ہے اسی طرح مرتب من اللہ بھی ہے جیسا کہ نظریہ تظم قرآن سے یہ چیز ظاہر و باہر ہے، تدوین قرآن کے مباحث پر عبد الملطیف رحمانی نے بڑی جامع بحث کی ہے۔^(۳۲)

سورۃ قیامہ کی آیت ”إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ“ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے صاحب تدریس قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نے بڑی قیمتی بات کہی ہے:

”لفظ جمع یہاں ایک جامع لفظ ہے۔ اس سے مراد اس کو نبی ﷺ کے سینہ میں محفوظ کرنا بھی ہے اور ان منتشر موتیوں کو ایک لڑی میں پرونا بھی۔ چنانچہ نبی ﷺ کی طرف سے برابر رہنمائی حاصل ہوئی رہی کہ مختلف موقع پر نازل ہونے والی آیات کو الگ سورتوں میں کس ترتیب سے آپ جمع فرمائیں۔ چنانچہ اسی رہنمائی کی روشنی میں آپ ﷺ نے الگ الگ سورتوں میں ان کے موقع کی تعین کے ساتھ جمع کرنے کی ہدایت فرمائی اور جمع کرنے والوں نے آپ کے اس حکم کی تعییل کی۔^(۳۳)

تاریخ فقہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک اہم پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ دیگر پیغمبروں پر نازل ہونے والے احکام بھی ہمارے لیے اسی طرح واجب اتعییل اور قابل تعظیم ہیں جس طرح کہ سرور کائنات ﷺ پر نازل ہونے والے احکام ہمارے لیے وجوب کا درجہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں آیا:

”أُولَئِكَ الَّذِينَ هَذِي اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ افْتَدِه“ (الانعام: ٩٠:٦)

”یہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، اس لیے (اے محمد) آپ ﷺ بھی ان کی پیروی کریں۔“

اسی طرح ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رَسُولِهِ“ (آل عمرہ: ٢٨٥)

”ہم رسولوں میں تفریق کے قائل نہیں ہیں۔“

مذکورہ دونوں آیتوں کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ دیگر تمام پیغمبروں اور خاتم المرسلین ﷺ پر نازل ہونے والے احکام میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن پرانے قانون کے باب میں اگر کوئی جدید رہنمائی ہے تو جدید قانون قابل عمل ہو گا پچھلے انبیاء و رسول کے قوانین پر عمل کے لیے یہ شرط بھی ہو گی کہ وہ قابل اعتبار طریق سے ہم تک پہنچیں۔ کیونکہ قرآن کریم نے یہ صراحت کر دی ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں تحریف کی ہے۔ (۳۲)

غلامی اور قرآن

ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطبات میں مسئلہ غلامی کو بھی اٹھایا اور یہ واضح کیا کہ توریت اور انجیل میں غلام بنانے کا ذکر تو ہے لیکن انہیں آزاد کرنے کا کوئی ذکر نہیں جب کہ قرآن کریم میں غلاموں کے آزاد کرنے کے لیے مختلف آیات میں زور دیا گیا ہے قرآن کریم میں غلاموں کی آزادی کو کارثواب قرار دیا گیا ہے۔ ”ظہار“ نامی طلاق اور غلطی سے کسی کو قتل کر دینے کی پاداش میں غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، سرکاری آمدی کی ایک مدیر بھی ہے کہ غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے اسے صرف کیا جائے۔ اسی طرح قرآن کریم میں یہ حکم بھی موجود ہے کہ اگر غلام اپنے روپیوں کو دے کر آقا سے نجات حاصل کرنا چاہے تو آقا کو لازمی طور سے اسے رہا کرنا ہو گا ”فِي الرِّقَابِ“ کے سلسلے میں تمام مفسرین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسلم اور غیر مسلم غلاموں کی رہائی کے لیے سرکاری رقم خرچ کی جائے۔ (۳۵)

بادشاہت اور قرآن

قرآن کریم میں بادشاہت کو شیئرِ مذموم قرار دیا گیا ہے اور شیئرِ محبوب بھی، بادشاہت اگر قوانینِ الہی کے مطابق ہے تو وہ عند الاسلام قابل قبول ہے۔ بادشاہت اگر خواہشاتِ نفس کی پیروی اور اقرباً پروری ہے تو وہ قابل تقدیم ہے۔ فرعون اور نمرود جیسے بادشاہوں کو ہدفِ ملامت قرار دیا گیا اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام جیسے پیغمبروں کو بادشاہ کا لقب دے کر مکرم و محترم گردانا گیا۔ اس ناظر میں بادشاہت کو حرام کے زمرے میں نہیں ڈالا جاسکتا بلکہ بادشاہ ملکیت کے حوالے سے جو قرآن کریم میں ذکر ہے:

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا (النمل ٢٨: ٣٤)

”بے شک یہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے بتاہ کر دیتے ہیں۔“

تو اس کے متعلق ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ ایسا صرف ملکیت کے طرز عمل کو دیکھ کر فرمایا گیا، اس سے زیادہ اس کی اور کچھ اہمیت نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ بادشاہت اگر ظلم و تقدیم سے پاک ہے تو وہ اختیار کے لائق ہے اور اگر وہ قتل و نثارت گری پر منی ہے تو اس سے گریز کیا جائے، ہمارے سر و کونین ﷺ نبی ہی نہیں بلکہ بادشاہ بھی تھے (۳۶۱)

④ ام القریٰ

”ام القریٰ“ کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے بڑی مناسب بات کہی ہے پائے تخت کے لیے انگریزی میں Metrapolis کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یہ دراصل یونانی لفظ ہے جس کے لفظی معنی ”شہروں کی ماں“ ہے۔ اس مفہوم میں قرآن کریم نے ”ام القریٰ“ کو استعمال کیا ہے۔ شہر کہ ”ام القریٰ“ ہی کے نام سے مشہور ہے۔ گویا اللہ کی سلطنت کا وہ صدر مقام ہے جب ایک میٹروپولس یا ام القریٰ ہو تو ہاں بادشاہ کامل بھی ہو گا۔ چنانچہ بیت اللہ الحرام، اللہ کا مکان یا اللہ کا گھر وہاں موجود ہے۔ گویا کعبہ جو بیت الحرام ہے۔ یہ اس بادشاہ کامل ہے کسی ملک میں بادشاہ ہو تو یہ ہمیشہ سے رواج رہا ہے رعایا کے نمائندے پائے تخت کو جا کر بادشاہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور اپنی اطاعت کا یقین دلاتے ہیں۔ حج کے سلسلے میں جب لوگ مکہ معظمہ جاتے اور وہ کعبہ کے سامنے حاضر ہوتے تو وہ حجر اسود پر اپنا

بازور کھتے ہیں اور جبراً سود کو (اور اگر دور ہوں تو ہاتھ سے اشارہ کر کے اپنے ہاتھ) کو بوسدے کر طواف کا آغاز کرتے اور اسے جاری کرتے ہیں۔ اس کو ہمارے فقہاء دونا موال سے یاد کرتے ہیں، اسے استسلام بھی کہتے ہیں اور بیعت بھی کہتے ہیں۔ (۳۷)

5 قرآن کریم اور گوتم بدھ

ڈاکٹر محمد حیدر اللہ نے اپنے خطبات میں بہت سے اہل علم کی آراء کا بھی ذکر کیا ہے، اسی طرح ”ذوالکفل“ کے متعلق بتایا کہ مولانا ناظر احسان گیلانی نے اس سے مراد ”گوتم بدھ“ لیا ہے۔

﴿وَالْتَّيْنِ وَالرَّئِيْتُونَ وَطُورُ سِينَيْنَ وَهَذَا الْبَلْدُ الْأَمِيْنُ﴾ کے باب میں لفتگو کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ اس میں چار پیغمبروں کا ذکر ہے۔ زیتون سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے، طور سینین سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ذہن موزاً گیا ہے اور بلد امین شہر مکہ کی اہمیت کو منظر عام پر لاتا ہے۔ اسی طرح ”تین“ سے گوتم بدھ کی جانب توجہ منعطف کرائی ہے۔ کیونکہ گوتم بدھ کے پیروکاروں کا اتفاق ہے کہ آپ کی پیدائش جنگلی انجیر کے نیچے ہوئی تھی، اسی سے مولانا گیلانی کا خیال ہے کہ قرآن کریم میں جہاں دنیا کے بڑے مذاہب کا ذکر ہے وہیں بدھ مت کا بھی ذکر ہے۔ قرآن کریم اس کی تفصیل میں اس لیے نہیں جاتا کیونکہ عرب اس سے واقف نہیں تھے۔ (۳۸)

مولانا فراہی نے مذکورہ چاروں چیزوں پر نہایت عالمانہ انداز میں گفتگو کی ہے۔ بالخصوص اشعار عرب سے استدلال کے ذریعہ اپنی بات کو قابل اعتبار بنا دیا ہے۔ مشہور شاعر نابغہ ذہبیانی نے اپنے ایک شعر میں ”تین“ کو ایک مقام کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ عربوں کے مذاق میں یہ چیز داخل تھی کہ اگر کوئی درخت کسی مقام پر کثرت سے پایا جاتا ہے تو اس کو اسی نام سے موسوم کر دیتے ہیں۔ مولانا فراہی نے ”تین“ کی اہمیت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

”اس سے معلوم ہوا کہ تین سے مراد یا تو کوہ جودی ہے یا اس کے قریب کا کوئی دوسرا پہاڑ تورات میں ہے کہ طوفان نوح کے بعد بنی آدم میں سے ادھر ادھر متفرق ہوئے اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کوہ جودی کے پاس پیش آیا۔“ (۳۹)

۶ مفرداتِ قرآن

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے خطبات میں جگہ جگہ ”مفرداتِ قرآن“ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو فرق آنیات سے کس قدر گہرا شغف تھا۔ یہاں چند مثالیں خطبات سے نقل کی جائیں گی۔

لفظ ”نجیل“ کے معنی خوشخبری کے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گاؤں میں جا کر لوگوں کو بشارت دیا کرتے تھے کہ اللہ کی حکمرانی بہت جلد آنے والی ہے۔ (۲۰)

”توریت“ کے معنی قانون کے ہیں۔ توریت پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک حصہ قانون کے نام سے منسوب ہے۔ (۲۱) ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی بتایا کہ توریت کو عبرانی زبان میں ”نوموں“ بھی کہتے ہیں، بعوموں کے معنی بھی قانون ہی کے ہیں، اسی طرح جب ورقہ بن فویل کے سامنے آنحضرت ﷺ کا واقعہ پیش کیا گیا تو انہوں نے یہی کہا تھا کہ یہ چیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت سے زیادہ مشابہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہی مفہوم قرین قیاس ہے۔ (۲۲)

فقہ کے لفظی معنی ”جاننا“ کے ہیں اور اصطلاحی مفہوم ”قانون“ یعنی شریعتِ اسلامی ہے، قرآن کریم کے تصور قانون کے متعلق یہ آیت پیش نظر ہے۔

﴿كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشْجَرَةً طَيِّبَةً أَصْلُهَا ثَابِثٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ﴾

”اچھی بات کی مثال اپنے درخت کی طرح ہے اس کی جڑ تو زمین میں گڑی ہوئی رہتی ہے لیکن اس کی شاخیں آسمان تک پھیل جاتی ہیں۔“ (ابراہیم: ۲۳/۱۲)

قانون کی بنیاد دراصل ایک چھوٹے سے بیج کے مانند ہے، لیکن اس سے جو درخت نکلے گا وہ آسمان کی بلندیوں تک پھیل جائے گا۔ اس آیت سے اسلامی شریعت کی عظمت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ (۲۳)

احسان کا لفظی مفہوم کسی چیز کو حسن عطا کرنا اور خوبصورت بنادینا ہے، زندگی کے کسی کام کو مہذب انداز میں انجام دینا ہی دراصل احسان ہے۔ اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ احکامِ الٰہی کو سچے دل سے قبول کرنا اور اس میں اخلاص

پیدا کرنا، صوفیاء کرام نے اسے ”سلوک و طریقت“ کا نام دیا ہے، اسی کا دوسرا نام ”تصوف“ ہے۔ (۲۴)

ڈاکٹر صاحب نے احسان کو ”سلوک و طریقت“ سے تعبیر کیا ہے، سلوک و طریقت کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ایک طریقے کا ذاتی فلسفہ ہے، صوفیاء کرام نے بہت سے طریقے عبادت ایجاد کیے جس کا حیات طیبہ اور آثار صحابہ کرام سے کوئی واسطہ نہیں ہے اس لیے احسان کو سلوک و طریقت سے جوڑنا غیر مناسب فعل ہے۔ کیونکہ مختلف صوفیاء کرام کے بیہاں اذ کار و ادوار کے مختلف طریقے راجح ہیں۔

معروف و منکر قرآن کریم کی دو اہم اصطلاحات ہیں۔ معروف کے لیے قرآن کریم میں خیر کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے اور منکر کے لیے شر کا لفظ، معروف ایسی چیز کو کہتے ہیں جو فطری لحاظ سے قبل قبول ہو، جس کا کرنا لائق تحسین ہے اور یہ وہ چیز ہے جو ہر دور اور ہر قوم کے نزد دیک قابل قبول ہو۔ یہی حال منکر کا ہے جو فطری لحاظ سے غیر محسن ہے۔ اسے ہر دور میں ہر قوم نے ناپسند کیا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم کسی غیر فطری اور غیر مستحب عمل کی دعوت نہیں دیتا اور نہ ہی کسی جدید اور اخوبی چیز کو پیش کرتا ہے۔ معروف اور منکر کے اعتبار سے قرآن کریم کا ہر حکم حکمت پرمنی ہے۔ (۲۵)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یقیناً قرآنیات سے متعلق متعدد مقالات پر درفتر طاس کیے ہیں اس میں دورائے نہیں کر انہوں نے ان مقالات میں اہم قرآنی مباحث کو موضوع بحث بنایا ہوگا کاش کران کے اس طرح کے مقالات کو علمی دنیا کے استفادہ کے لیے جمع کر کے، کوئی شائع کرنے کی کوئی سبیل پیدا کر دیتا تو یہ ایک عظیم قرآنی خدمت ہوتی۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک مقالہ ”قرآن مدارفخت انسان“ کے عنوان سے مجلہ ”علوم القرآن“ میں شائع ہوا ہے جس میں توریت، زبور، انجیل، آویستا اور پران وغیرہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا گیا کہ آج اس عہد میں مذکورہ آسمانی صحیفوں کے متعلق گمان تو کیا جا سکتا ہے لیکن یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ احادیث میں حضرت آدم، حضرت شیث اور حضرت اور لیں علیہم السلام کے صحیفوں کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن آج اس عہد میں اعتماد کے ساتھ کچھ کہنا بڑا دشوار ہے۔ اسی طرح صحف ابراہیم کا کچھ پتہ نہیں۔ صرف چند آیات قرآن کریم میں درج ہیں۔

مختلف آسمانی کتب و صحیفوں میں صرف بشارت کے لیے انتظار کرنے کو کہا گیا۔ لیکن اس کے بر عکس

قرآن کریم کو آخوندی کتاب ہدایت قرار دیا گیا جوتا قیامت تمام انسانوں کے لیے مشعل رشد و ہدایت ہے۔ تیس سالہ مدت میں جتنہ جستہ یہ کتاب الہی نازل ہوتی رہی اور اللہ کے حکم کے مطابق آنحضرت ﷺ اسے ترتیب دیتے رہے اور ہر ممکن کوشش کی کہ اللہ کے اس کلام میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہو سکے۔

ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ کتاب اسے اس لیے کہا گیا ہے کہ اسے کتابی شکل میں پیش کیا جائے اور قرآن اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ لکھی ہوئی کتاب پڑھنے کے لیے ہے۔ قرآن کریم کی صحت برقرار رکھنے کے لیے ہجرت کے بعد رمضان میں صحابہ کرام کی موجودگی میں ایک بار آپ پورے قرآن کریم کو دہراتے تاکہ کوئی غلطی باقی نہ رہے، اس وقت صحیح کے لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی موجود ہوتے۔ اسی طرح وفات سے قبل رمضان میں دوبار قرآن کریم کو دہرا کر فرمایا کہ میرا فریضہ مکمل ہو گیا ہے اور میں جلد ہی وفات پانے والا ہوں۔ آگے بھی اس مقالہ میں حفاظت قرآن کریم کی صحت اور تدوین سے متعلق آنکھتوں کی گئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم تمام تحریفات سے پاک ہے اور یہی کتاب تہرانی نوع انسان کو ظلمتوں سے نجات دلائی ہے۔ (۲۶)

قرآنیات سے متعلق ایک اہم مقالہ ”قرآنی تصور مملکت“ ہے (۲۷) اس میں قرآن کریم اور تاریخ اسلام کی روشنی میں اسلامی ریاست کے خود خال پیش کیے گئے ہیں، اللہ کے رسول نے دس سال کے اندر ایک ایسا نظام حکومت قائم کیا جسے دیکھ کر دنیا آنکھت بندناہ رہ گئی، اس حکومت کی کامل تصویر قرآن کریم میں موجود ہے۔

تاریخ انسانی کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کی آمد کے باوجود بہت عرصہ کے بعد کسی اقتدار یا سیاسی نظام کا پتہ چلتا ہے، باوشاہی کا وجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے ملتا ہے، یہی باوشاہت حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں ترقی یافتہ صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کی سیرتوں سے اقتدار و اختیار کے قیام کا پتہ لگتا ہے۔ حضرت داؤد کے متعلق قرآن کریم میں واضح کیا گیا کہ وہ کس طرح فرائض اقتدار انجام دیتے تھے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَشَدَّدْنَا مُلْكَهُ وَأَتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَلَّى الْخِطَابَ﴾ (ص: ۳۸: ۲۰)

”ہم نے اس کی حکومت کو مضبوط بنادیا، اور اسے حکمت اور فیصلہ کرنے والی زبان عطا کی۔“

اسی طرح ملکہ سبا کی حکومت کا ذکر قرآن کریم میں بڑے واضح انداز میں ملتا ہے۔ قرآن کریم میں یقینبروں کے صحیفوں اور کتابوں کا ذکر ہے۔ صحیفہ کا معنی ہم دستورِ العمل اور کتاب کا معنی ہم دینے کے ہیں۔ آگے بڑھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بیعت پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا کہ خلیفہ اصلًا مقتدر اعلیٰ کا پابند ہوتا ہے۔ وہ عبادات اور معاملات دونوں میں اپنے معبود کی اتباع کرتا ہے، دین اور دنیا الگ الگ تھے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ کی طرف یہ قولِ انجیل میں منسوب ہے:

”قیصر کی چیزوں قیصر کو دے دو اور کلیسا کی کلیسا کو۔“

لیکن اللہ کے رسول ﷺ دین اور دنیا کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ لِيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾

”تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور یہ اعمال بجالائے ہیں، اللہ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں زمین میں ضرور جانشین بنائے گا۔“ (النور: ۲۳: ۵۵)

اس مقالہ میں عدل گسترشی، شورائیت، قانون سازی، جہاں بانی کے قواعد، قومی دولت، اخلاق عامہ، سیاسی اصلاحات اور جانشینی جیسے موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان موضوعات کو جدا یہ تناظر میں دیکھتے ہوئے بتایا کہ دین اسلام نے مذکورہ تمام چیزوں کے لیے ایسی ہدایات دی ہیں جو دنیائے انسانیت کے لیے رہنمای اصول کی حیثیت کے حامل ہیں۔

مذکورہ سطور میں ڈاکٹر صاحب کی تمام قرآنی خدمات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قرآنیات سے متعلقہ ان کی بہت سی چیزوں دسترس سے باہر ہیں۔ ویسے ان سطور سے یہ چیز ضرور منظر عام پر آگئی کہ آپ کو قرآنیات سے گہرا شغف تھا، جس کی میں مثال فرانسیسی ترجمہ قرآن ہے۔ اس کے علاوہ متعدد انہیں اس کی فکر دامن گیر رہی کہ اہل علم کے سامنے قرآنی خدمات اور قرآنی حقائق کو منظر عام پر لا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف زبانوں میں زندگی بھر دین اسلام کی صداقتوں کو پیش کرتے رہے اور اسی اضطراب کے پیش نظر القرآن فی کل انسان کی ترتیب و تدوین میں لگے رہے۔

حوالہ جات

- ۱۔ مخدوم علی مہائی کی حیات و خدمات کے لیے ملاحظہ ہو: مخدوم علی مہائی: حیات، آثار و افکار۔ مولانا عبد الرحمن پرواز اصلاحی، اشاعت اول۔
- ۲۔ اس تفسیر کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ مصر کے مشہور مطبع ”بولاق“ سے شائع ہوئی، نظم قرآن کی نمائندہ تفاسیر میں اس کا خمار ہے۔ ویکھیے اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں، سید عبدالحی، لکھنؤ، ۱۹۶۹ء، ص ۲۳۲۔ ۲۳۱۔
- ۳۔ عمری، محمد یوسف کوکن عمری، ”خانوادہ قاضی بدرالدولہ“، وارالتصنیف مدرس ۱۹۲۳ء، ص ۱۶۹۔ ۱۷۰۔
- ۴۔ یہ عظیم تفیریسات جلدیوں میں ہے، جو عربی زبان میں لکھی گئی جو ملکہ العلوم عبد العالی (المتوفی ۱۲۵۱ھ) کے ایماپر لکھی گئی تھی۔ یہ تفسیر مجلس اشاعت العلوم حیدر آباد (دکن) سے شائع ہوئی۔ اس تفسیر کی جلد اول ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوئی اور آخری جلد ۱۳۲۴ھ میں تفصیل کے لیے ویکھیے: المسدوی، احمد عبد اللہ، ”مملکت حیدر آباد ایک علمی، اولی اور ثقافتی تذکرہ“، ناشر بہادر یار جنگ اکادمی، کراچی، ۱۹۶۸ء، جلد اول، ص ۸۔
- ۵۔ تفصیل کے لیے ویکھیے: خانوادہ قاضی بدرالدولہ، ص ۲۹۰۔
- ۶۔ تفسیر ”فیض الکریم“ کا پہلا حصہ میرے سامنے ہے، جو مدرس کے مطبع ”عزیزی“ سے شائع ہوا، یہ ۱۹۷۹ء صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں صرف کاچار صفحے کا مقدمہ بھی شامل ہے۔
- ۷۔ وضاحت کے لیے ویکھیے: قرآن مجید کے فرانسیسی ترجمے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ معارف، عظیم گڑھ۔ جلد ۲، ۸۳، شمارہ ۲، اگست ۱۹۵۹ء، ص ۳۶۸۔ ۳۶۹۔
- ۸۔ اینہا، ص ۳۶۷۔
- ۹۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، پروفیسر عبد الرحمن موسیٰ، ماہنامہ ترجمان الاسلام، جامعہ اسلامیہ، رویڑی تالاب بناں جنوری تا جون ۱۹۰۲ء، شمارہ ۵۳، ص ۵۲۔ ۵۳۔
- ۱۰۔ اداریہ (محقق گرای ڈاکٹر محمد حمید اللہ) اشتیاق احمد ظلی۔ شش ماہی، علوم القرآن، علی گڑھ، جنوری۔ جون ۱۹۰۲ء، ۷۱، ص ۱۰۱۔
- ۱۱۔ ترجم قرآن مجید: تازہ تازہ نوبنوب۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ ماہنامہ معارف، عظیم گڑھ، نومبر ۱۹۸۸ء، ۱۳۲، ص ۳۷۹۔
- ۱۲۔ اینہا، ص ۳۸۲۔

- ۱۳۔ ترجمان اسلام، ص ۱۶۱۔ تاہم جناب مظہر متاز قریشی کے نام ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خلوط سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے جرم زبان میں سورہ الاغام تک ترجیح کیا تھا بعد مگر مصروفیات کی وجہ سے اس کو مکمل نہ کر سکے، تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد روی، وہاب، سید ”سمائی ارمغان“، کراچی، دسمبر ۱۹۹۲ء، خط نمبر ۸۹، ص ۸۹۔
- ۱۴۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ماہنامہ معارف۔ نومبر ۱۹۸۵ء، ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۷ء، ۱۹۸۸ء، ۱۹۸۹ء، ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۱ء، ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۳ء، ۱۹۹۴ء، ۱۹۹۵ء، ۱۹۹۶ء، ۱۹۹۷ء، ۱۹۹۸ء، ۱۹۹۹ء، ۱۹۰۰ء۔
- ۱۵۔ اس پر جامع تبصرہ کے لیے دیکھیے: ششماہی علوم القرآن ج ۲، شمارہ ۲، جولائی۔ ستمبر ۱۹۸۷ء ص ۱۳۰۔
- ۱۶۔ ماہنامہ معارف۔ نومبر ۱۹۸۵ء، ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۷ء، ۱۹۸۸ء، ۱۹۸۹ء، ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۱ء۔
- ۱۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: مجلس ایمنی، الجمیع العلمی الحدیدی۔
- ۱۸۔ ڈاکٹر احمد خان کی کتاب ”قرآن کریم کے اردو تراجم“، صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب مشہور اہل قلم سید عبدالقدوس باغی کی نظر ثانی کے بعد منتظر عام پر آئی ہے (طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۸۷ء)۔
- ۱۹۔ معارف، نومبر ۱۹۸۵ء، ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۷ء، ۱۹۸۸ء، ۱۹۸۹ء، ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۱ء۔
- ۲۰۔ خطبات بہاولپور، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، بارا ذل، اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۹ء، ص ۱۱۔
- ۲۱۔ ایضاً، ص ۲۵۔
- ۲۲۔ ایضاً، ص ۲۸۔
- ۲۳۔ ایضاً، ص ۲۹۔
- ۲۴۔ ایضاً، ص ۳۰۔
- ۲۵۔ ایضاً، وضاحت کے لیے دیکھیے: ص ۳۳۔
- ۲۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تدریس قرآن، ایمن اصلاحی، باراول، تاج پیغمبیر، ۱۹۸۹ء، ۱۹۸۵ء، ۱۹۸۶ء۔
- ۲۷۔ خطبات بہاولپور، ص ۷۵۔
- ۲۸۔ ایضاً، ص ۷۵۔
- ۲۹۔ ایضاً، ص ۵۸۔
- ۳۰۔ ایضاً، ص ۵۸۔
- ۳۱۔ ایضاً، ص ۸۸۔
- ۳۲۔ تدریس قرآن، ایمن اصلاحی، طبع اول، نومبر ۱۹۸۷ء، قاران فاؤنڈیشن، لاہور، ص ۸۶۔
- ۳۳۔ خطبات بہاولپور، ص ۱۰۲۔
- ۳۴۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً، ص ۷۷۔

- ۳۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً، جلد ۱۲۰، ص ۱۱۹۔
- ۳۷۔ ایضاً، جلد ۲۱۲، ص ۲۱۵۔
- ۳۸۔ ذوالعقل کے سلسلے میں دیکھیے: اعلام القرآن۔ عبدالمالک جدور یا آبادی، مطبع شاہی برقی پر لیس، لکھنؤ (بدون تاریخ)، جلد ۷۰۔
- ۳۹۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر نظام القرآن۔ حمید الدین فراہی۔ داکڑہ حمید یہ مدرسۃ الاصلاح۔ سرائے اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء، جلد ۳۱۲، ص ۳۱۰۔
- ۴۰۔ خطبات بہاولپور، جلد ۲۳۔
- ۴۱۔ ایضاً، جلد ۲۱۔
- ۴۲۔ ایضاً، جلد ۲۷۔
- ۴۳۔ ایضاً، جلد ۲۷، ص ۹۶۔
- ۴۴۔ ایضاً۔
- ۴۵۔ ایضاً، جلد ۳۲، ص ۳۲۲۔
- ۴۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: قرآن: مدارِ فخرت انسان۔ محمد حمید اللہ، (علوم القرآن، علی گڑھ، جولائی ۱۹۸۹ء)، جلد ۲، ص ۲۷۵۔
- ۴۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ماہنامہ معارف، جلد ۲۸، شمارہ ۷۵، دسمبر ۱۹۷۱ء، جلد ۲۰۵، ص ۳۳۱۔